تدبّرِ قرآن

۵۸

المجادلة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ا۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلّق

سابق سورہ کا خاتمہ اہل کتاب کے اس اعتراض کے جواب پر ہوا ہے جو انھوں نے جہاد کے خلاف اٹھایا۔ اس اعتراض سے تعرّض کی ضرورت ظاہر ہے کہ اس وجہ سے پیش آئی کہ مخالفین کے یہ اعتراضات منافقین اٹھا لیتے اور پھر ان کو چپکے چپکے مسلمانوں کے اندر پھیلانا شروع کر دیتے کہ ان کے عقیدہ کو متزلزل اور ان کے جوشِ جہاد کو سرد کریں۔ اس سورہ کے زمانۂ نزول میں معلوم ہوتا ہے کہ منافقین کی یہ سرگرمیاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ یہ صورتِ حال داعی ہوئی کہ اس خفیہ پراپیگنڈا کا سدِّباب کیا جائے چنانچہ اس سورہ میں منافقین کی اس طرح کی حرکتوں پر نہایت شدّت کے ساتھ گرفت بھی کی گئی اور اس کے سدِّباب کے لیے بعض ضروری تدبیریں اختیار کرنے کی بھی مسلمانوں کو ہدایت فرمائی گئی۔ ساتھ ہی ایک نہایت مؤثر عملی مثال سے یہ سبق بھی لوگوں کو دیا گیا کہ اگر کسی کو اسلام کے سبب سے زندگی میں کوئی مشکل پیش آئے تو اس کو نہایت خلوص کے ساتھ اللہ و رسول کے سامنے عرض کرے۔ امید ہے کہ اس کی مشکل حل ہونے کی کوئی راہ اللہ تعالیٰ کھول دے گا۔ رہے وہ لوگ جو کسی فرضی یا واقعی مشکل کو بہانہ بنا کر اسلام کے خلاف پراپیگنڈے کی مہم شروع کر دیتے ہیں وہ درحقیقت اللہ اور رسول کے خلاف محاذِ جنگ کھولنا چاہتے ہیں۔ اس طرح کے لوگ یاد رکھیں کہ وہ ذلیل ہو کے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے کہ غلبہ اور سرفرازی صرف اللہ اور اس کے رسولوں کے لیے ہے۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱-۴) ایک مومنہ کے ایک واقعہ کا حوالہ جس کو دین کے معاملہ میں ایک نہایت سخت مشکل پیش آئی لیکن اس نے دین سے بدگمان و مایوس ہونے کے بجائے اپنی مشکل، نہایت خلوص و اعتماد کے ساتھ، اللہ و رسول کے سامنے پیش کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مشکل حل کرنے کی راہ کھول دی اور لوگوں کے سامنے اس کے اس مومنانہ اور شائستہ طریقہ کو بطورِ مثال پیش کیا کہ دین کے سبب سے کوئی مشکل کسی کو پیش آئے تو اس کے حل کا صحیح طریقہ یہ ہے نہ کہ وہ جو منافقین نے اختیار کیا ہے کہ شریعت کی جس بات کو اپنے نفس پر گراں محسوس کرتے ہیں اس کو اللہ و رسول کے خلاف خفیہ معاندانہ پراپیگنڈے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔

(۵ - ۸) ان لوگوں کی روش سے اظہارِ بیزاری جو اللہ و رسول پر اعتماد کرنے کے بجائے دین کے خلاف محاذ آرائی میں سرگرم تھے، برابر دین کے خلاف پراپگنڈا اور سرگوشیاں کرتے پھرتے، رسول کی توہین کرتے اور اللہ کی ڈھیل کو اپنے رویّہ کی صحت کی دلیل سمجھے بیٹھے تھے۔ ان کو متنبہ فرمایا گیا کہ یہ دنیا میں بھی ذلیل ہوں گے جس کی شہادت تاریخ میں موجود ہے اور آخرت میں بھی ان کا حصہ جہنم ہے جو ساری کسر پوری کر دے گی۔

(۹ - ۱۰) مسلمانوں کو گناہ، تعدی اور رسول کے خلاف سرگوشی کی ممانعت اور نیکی و پرہیزگاری کے لیے سرگوشی کی ہدایت۔ ساتھ ہی یہ اطمینان دہانی کہ منافقین ان کے خلاف جو سرگوشیاں کرتے پھر رہے ہیں ان کو وہ خاطر میں نہ لائیں، اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کسی کی سرگوشی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اہلِ ایمان کے شایانِ شان رویّہ یہ ہے کہ اس طرح کی باتوں سے مبتلائے رنج و تشویش ہونے کے بجائے اپنے رب پر بھروسہ رکھیں۔ اللہ مفسدین کے شر سے ان کو محفوظ رکھے گا۔

(۱۱ - ۱۲) مجلسِ نبوی کے آداب و احترام کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت اور اس کو نجویٰ کی جگہ بنانے کی ممانعت۔ ساتھ ہی نجویٰ کی بڑھتی ہوئی بیماری کو روکنے کے لیے مجلسِ نبوی سے متعلق بعض ہنگامی احکام کا اعلان۔

(۱۳) ہنگامی ضرورت پوری ہو جانے کے بعد وقتی حکم کی منسوخی کا اعلان اور اس امر کی ہدایت کہ عبادات میں سے ان چیزوں کا خاص طور پر اہتمام کیا جائے جو اس بیماری کے سدِباب کے لیے نافع ہیں جس کے لیے ہنگامی قانون نافذ کیا گیا تھا۔

(۱۴ - ۲۲) منافقین کے اصل مرکزِ وفاداری کی نشان دہی کہ وہ اللہ کے مغضوب یہودیوں کے ایجنٹ ہیں۔ یہ محض اپنے قول اور اپنی قسموں کے بل پر مسلمانوں کے ساتھی بنے ہوئے ہیں۔ ان کے دل اسلام کے دشمنوں کے ساتھ ہیں۔ یہ مال و اولاد کی محبت میں گرفتار ہیں۔ شیطان نے ان کو اللہ کے خوف اور اس کی یاد سے غافل کر دیا ہے اور یہ اس کی پارٹی میں شامل ہو کر اللہ کے رسول کے خلاف محاذ آرائی میں سرگرم ہیں۔ یہ لوگ بالآخر نامراد ہوں گے۔ اللہ کا یہ حتمی فیصلہ ہے کہ غلبہ اللہ اور اس کے رسولوں کے لیے ہے۔ سچے اہلِ ایمان صرف وہی ہیں جو اللہ و رسول کے دشمنوں سے، خواہ وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی اور اہلِ قبیلہ ہی کیوں نہ ہوں، بالکل قطعِ علائق کر لیں۔ اللہ انہی لوگوں سے راضی ہے۔ یہی اللہ کی پارٹی ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔

سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ (۵۸)

مَدَنِيَّةٌ —— آيات : ۲۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیات ۱-۴ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَی
اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۱﴾
اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ
اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا
مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۲﴾ وَالَّذِیْنَ
یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ
رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۳﴾ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ
مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ
فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ
وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۴﴾

ترجمہ آیات ۱-۴ اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو تم سے جھگڑتی تھی اپنے شوہر کے
بارے میں اور شکوہ کر رہی تھی اللہ سے اور اللہ سن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو۔ اللہ
سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ ۱

تم میں سے جو اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں بن جاتی ہیں۔ ان کی مائیں تو وہی ہوں گی جنھوں نے ان کو جنا ہے۔ البتہ اس طرح کے لوگ ایک نہایت ناگوار اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ اور اللہ درگزر فرمانے والا اور بخشنے والا ہے۔ اور جو لوگ ظہار کر بیٹھیں اپنی بیویوں سے پھر لوٹیں اسی چیز کی طرف جس کو حرام ٹھہرایا تو ایک گردن کو آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ یہ بات ہے جس کی تمھیں نصیحت کی جا رہی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر رہتا ہے۔ پس جس کو غلام میسّر نہ آئے تو اس کے اوپر لگاتار دو مہینے کے روزے ہیں، ہاتھ لگانے سے پہلے اور جو اس کی طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اس کے ذمہ۔ یہ اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول پر تمھارا ایمان راسخ ہو۔ یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور کافروں کے لیے ایک دردناک عذاب ہے۔ ۲-۴

۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ (۱)

سننا، قبول کرنے کے معنی میں

'قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ' کے معنی پر موقع کلام دلیل ہے کہ یہاں صرف سن لینے کے نہیں بلکہ قبول کر لینے کے ہیں۔ اس معنی میں یہ لفظ قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے اور عربی زبان میں بھی معروف ہے۔ بلکہ ہماری زبان میں بھی 'سننا' قبول کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

'تُجَادِلُكَ' سے پہلے عربیت کے معروف قاعدے کے مطابق فعل ناقص محذوف ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ جس خاتون کا واقعہ یہاں مذکور ہے ان کو اپنا معاملہ پیش کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بار بار حاضر ہونا پڑا۔

مُجادلہ کا مفہوم

مُجَادلہ' قرآن میں اچھے اور برے دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ برے معنی اس کے کٹ حجتی کرنے اور جھگڑنے کے ہیں اور اچھے معنی اس کے کسی سے اپنی بات محبت، اعتماد، حسنِ گزارش، تذلل اور اصرار کے ساتھ منوانے کی کوشش کرنے کے ہیں۔ اس میں جھگڑنا تو بظاہر ہوتا ہے لیکن یہ جھگڑنا محبت اور اعتماد کے ساتھ ہوتا ہے جس طرح چھوٹے اپنی کوئی بات اپنے کسی بڑے سے، اس کی شفقت پر اعتماد کر کے منوانے کے لیے جھگڑتے ہیں۔ اس مجادلۂ محبت کی بہترین مثال سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا وہ مجادلہ ہے جو انھوں نے قومِ لوط کے باب میں اپنے رب سے کیا ہے اور جس کی اللہ تعالیٰ نے نہایت تعریف فرمائی ہے۔ اس کی تفصیل ہم اس کے محل میں پیش کر چکے ہیں۔ یہاں ان خاتون کے جس مجادلہ کی طرف اشارہ ہے اس کی نوعیت بالکل یہی ہے۔ اردو میں اس کا مفہوم ادا کرنے کے لیے کوئی موزوں لفظ سمجھ میں نہیں آیا اس وجہ سے میں نے ترجمہ جھگڑنا ہی کیا ہے لیکن یہ جھگڑنا خاص مفہوم میں ہے اور اس مفہوم میں یہ لفظ اردو میں بھی مستعمل ہے بشرطیکہ آدمی موقع و محل کو ملحوظ رکھ سکے۔

جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس کی نوعیت

آیت میں جن خاتون کی طرف اشارہ ہے روایات میں ان کا نام خولہ بنت ثعلبہؓ آیا ہے۔ ان کے شوہر اوس بن صامتؓ انصاری تھے۔ ایک مرتبہ غصہ میں آ کر وہ بیوی کو کہہ بیٹھے کہ اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ (اب تجھ کو کبھی ہاتھ لگایا تو گویا اپنی ماں کی پیٹھ کو ہاتھ لگایا)۔ زمانۂ جاہلیت میں بیوی کو اس طرح کی بات کہہ دینے سے ایسی طلاق پڑ جاتی جس کے بعد بیوی لازماً شوہر سے جدا ہو جاتی۔ اس وجہ سے حضرت خولہؓ کو سخت پریشانی پیش آئی کہ اس عمر میں شوہر اور بچوں سے جدا ہو کر کہاں جائیں! بالآخر انھوں نے معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا اور باصرار و بالحاح آپ سے درخواست کی کہ آپ ان کی اس پریشانی کا کوئی حل بتائیں۔ آپ کے سامنے وحیٔ الٰہی کی کوئی واضح رہنمائی اس بارے میں موجود نہیں تھی اس وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جواب میں کچھ توقف فرمایا جس کے سبب سے ان کو بار بار اپنے معاملے کی طرف حضورؐ کو توجہ دلانی پڑی۔

الفاظِ قرآن سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ انھوں نے اس معاملے میں اپنے شوہر کی بھی کچھ مدافعت کی۔ حضرت اوسؓ کے مزاج میں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے، کچھ تیزی تھی جس کے سبب سے غصہ میں ان کی زبان سے ایک ناروا فقرہ نکل گیا۔ مقصد ہرگز بیوی کو طلاق دینا نہیں تھا اس وجہ سے میاں بیوی دونوں کو سخت پریشانی پیش آئی۔ حضرت خولہؓ نے یہ صورتِ حال بھی حضورؐ کے سامنے رکھی ہو گی تاکہ یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے کہ یہ فقرہ کہتے ہوئے ان کے شوہر کے ذہن میں طلاق کا کوئی خیال موجود نہ تھا محض اشتعال میں ایک فقرہ بلاقصد ان کی زبان سے نکل گیا۔

ایک سوال کا جواب

ظہار کا ذکر سورۂ احزاب میں بھی آیا ہے لیکن بالکل ضمناً صرف اتنا آیا ہے کہ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِىْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ (الاحزاب - ۳۳ : ۴) (اور تمہاری وہ بیویاں جن سے تم ظہار کرتے ہو خدا نے ان کو تمہاری مائیں نہیں بنایا ہے) لیکن اوّل تو یہ ضروری نہیں کہ سورۂ احزاب سورۂ مجادلہ سے پہلے نازل ہوئی ہو۔ دوسرے نازل ہوئی بھی ہو تو اس سے صرف اتنی ہی بات معلوم ہوتی ہے کہ ظہار سے کسی کی بیوی اس کی ماں نہیں بن جاتی۔ یہ نہیں واضح ہوتا کہ کوئی شخص یہ حرکت کر بیٹھے تو اس سے اس کے اوپر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اس کی تلافی کے لیے اسے کیا کرنا چاہیے۔ اس وجہ سے حضورؐ کے سامنے سورۂ احزاب والی آیت رہی بھی ہو جب بھی آپ حضرت خولہؓ کے معاملے میں کوئی قطعی فیصلہ اسی صورت میں فرما سکتے تھے جب وحیٔ الٰہی آپ کی رہنمائی فرمائے۔ چنانچہ آپ نے وحیٔ الٰہی کے انتظار میں توقّف فرمایا یہاں تک کہ ان خاتون کے اس شکوہ و مجادلہ کی برکت سے نہ صرف ان کے لیے بلکہ اللہ کے بے شمار بندوں اور بندیوں کے لیے جاہلیت کی ایک بے ہودہ رسم کے عواقب سے چھوٹنے کی ایک نہایت مبارک راہ کھل گئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرما کر ان کو اور ان کے اس مجادلہ کو زندۂ جاوید بنا دیا اور لوگوں کو سبق دیا کہ جن کو دین کے معاملے میں کوئی مشکل پیش آئے انھیں اس مومنہ خاتون کی طرح اپنی مشکل اپنے رب کے آگے پیش کرنی چاہیے، منافقوں کی طرح اس کو نکتہ چینی، سرگوشی اور اللہ و رسول کے خلاف محاذ آرائی (محادّہ) کا بہانہ نہیں بنا لینا چاہیے۔

ہر مشکل کی کلید اللہ تعالیٰ سے استعانت ہے

وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا یعنی یہ شکوہ و مجادلہ چونکہ خاص اللہ تعالیٰ ہی سے تھا اس وجہ سے وہ خاص توجہ و مہربانی سے اس کو سنتا رہا۔ چنانچہ اس نے اپنی اس بندی کی مشکل حل کرنے کی راہ کھول دی۔ اس سے یہ بات نکلی کہ جو لوگ اپنی کوئی مشکل اپنے رب سے عرض کرتے ہیں وہ اطمینان رکھیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو نہایت توجہ و شفقت سے سنتا ہے۔ وہ سمیع و بصیر ہے اور جب وہ سنتا ہے اور ہر چیز کی قدرت بھی رکھتا ہے تو بندہ اس سے مایوس و بدگمان کیوں ہو!

یہاں یہ بات بھی یاد رکھیے کہ دنیوی و مادی مشکلات کی طرح روحانی و عقلی الجھنوں سے نکلنے کی بھی سب سے زیادہ کامیاب راہ یہی ہے کہ آدمی اس کو اپنے رب کے آگے پیش کرے۔ بسا اوقات کوئی ایسی علمی و عقلی مشکل پیش آ جاتی ہے جس کا حل کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور اس سے دین کے معاملے میں شکوک پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اس طرح کے حالات میں آدمی اگر اپنی مشکل اپنے رب کے آگے پیش کرے اور اس سے ہدایت کا طالب ہو تو ان شاء اللہ اس کو شرحِ صدر حاصل ہو جائے گا بشرطیکہ آدمی صبر کے ساتھ اپنے رب سے استعانت کرے۔ طالبینِ حق کا طریقہ ہمیشہ یہی رہا ہے لیکن جو لوگ سفلہ اور جلد باز ہوتے ہیں وہ یہ راہ اختیار کرنے کے بجائے یا تو اپنے اوہام و شکوک ہی کو دین بنا لیتے

ہیں یا ان کو دین پر نکتہ چینی کا ذریعہ بنا کر اس کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ وہی نکلتا ہے جس کا ذکر اسی سورہ میں آگے تفصیل سے آئے گا۔

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔىْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ (۲)

ظہار اور اس کا شرعی حکم

اس سلسلہ میں پہلی اصولی بات یہ فرمائی کہ جو لوگ اپنی بیویوں کو اس طرح کی کوئی بات کہہ بیٹھتے ہیں اس سے ان کی بیویاں ان کی ماؤں کے حکم میں نہیں داخل ہو جاتیں۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنا ہے۔ ان کو جو حرمت حاصل ہوئی ہے وہ جننے کے تعلق سے حاصل ہوتی ہے جو ایک فطری اور ابدی حرمت ہے۔ یہ چیز کسی دوسری عورت کو مجرد اس بنیاد پر نہیں حاصل ہو جائے گی کہ ایک شخص نے اس کو یا اس کے کسی عضو کو اپنی ماں یا اس کے کسی عضو سے تشبیہ دے دی۔ اس طرح کی بات کسی نے کہی ہے تو اس کی بات بھونڈی اور جھوٹی ہے جس پر وہ تنبیہ و تادیب کا مستحق ضرور ہے لیکن اس سے اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہو جائے گی۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ۔ یعنی اس طرح کی منکر اور خلافِ حقیقت بات اشتعال میں اگر کوئی مسلمان اپنے منہ سے نکال بیٹھا پھر اس کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تو اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والا اور معاف کرنے والا ہے۔ چنانچہ اس معاملے میں بھی چونکہ غلطی کے مرتکب کو اپنی غلطی کا پورا پورا احساس ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس سے درگزر فرمایا۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ جاہلیت میں عربوں نے جس طرح منہ بولے بیٹوں کو بالکل صُلبی بیٹوں کا درجہ دے رکھا تھا اسی طرح ظہار کے معاملے میں بھی ان کا رویہ نہایت متشددانہ تھا۔ کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طرح کی بات کہہ گزرتا جس کا حوالہ اوپر گزرا تو رواجِ عام اس کی بیوی کو فی الواقع اس کی ماں ہی کی طرح حرام بنا دیتا؛ مجال نہیں تھی کہ کوئی شخص ظہار کے بعد بیوی سے زن و شو کا تعلق قائم کر سکے۔ کوئی اس طرح کی جسارت کرتا تو لوگ اس کو بالکل اسی نگاہ سے دیکھتے گویا اس نے اپنی ماں کو نکاح میں رکھ چھوڑا ہے۔ اس وجہ سے اسلام نے اس طرح کی خلافِ فطرت باتوں کی اصلاح کرتے ہوئے ہر جگہ اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ فطرت کے قانون میں جس چیز کے لیے جو جگہ ہے اس کو اسی جگہ رکھو۔ اس میں ردّ و بدل کر کے دینِ فطرت کو مسخ کرنے کی کوشش نہ کرو۔ سورۂ احزاب کی تفسیر میں یہ بحث تفصیل سے گزر چکی ہے۔ یہاں بھی اس رسمِ بد کی اصلاح کرتے ہوئے معترضین کا منہ بند کرنے کے لیے پہلے ہی یہ بات واضح فرما دی کہ اس طرح کی ناروا باتوں سے فطرت کے قوانین نہیں بدل جاتے۔ بیوی محض کسی شخص کی ایک جھوٹ بات کی وجہ سے اس کی ماں نہیں بن جائے گی۔

ایک نحوی سوال

'مَا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ' میں ایک سوال 'اُمَّهٰتِهِمْ' کے اعراب سے متعلق بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس کو نصب کیوں ہے؟ میرے نزدیک یہاں 'مَا' معنی میں 'لَیْسَ' کے ہے۔ قرآن میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً سورۂ حاقّہ میں فرمایا ہے: 'فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِیْنَ' (۴۷) (تو کوئی بھی تم میں سے اس کو بچانے والا نہیں بنے گا)۔

وَالَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (۳)

ظہار کا کفارہ

یہ اس کا حل بتایا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے ظہار کر بیٹھے پھر وہ اس چیز کی طرف لوٹنا چاہے جس کو اس نے حرام ٹھہرایا تو اس کو اس سے پہلے کفّارہ کے طور پر ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔

یعنی اس کی بیوی اس کے ظہار کے سبب سے اس کی ماں کی طرح حرام تو نہیں ہو جائے گی لیکن چونکہ نکاح و طلاق کے اثرات معاشرتی زندگی پر نہایت دُور رَس ہوتے ہیں اس وجہ سے اس معاملے میں جدّ و ہزل دونوں ہی کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ چیز مقتضی ہے کہ ایسے شخص کو کچھ تنبیہ و تادیب کی جائے تاکہ وہ بھی آئندہ احتیاط کی روش اختیار کرے اور دوسروں کو بھی اس سے سبق حاصل ہو۔ چنانچہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بیوی کو ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کرے۔ یہاں لفظ 'رقبۃ' آیا ہے جس کے معنی گردن کے ہیں۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ غلام یا لونڈی کی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ بعض فقہاء نے تو مسلم اور غیر مسلم کی کوئی قید بھی ضروری نہیں سمجھی ہے۔ دونوں میں سے جو بھی میسر ہو اس سے کفّارہ ادا ہو جائے گا بس اتنی بات ہے کہ مسلم غلام میسر ہو تو اس کو ترجیح حاصل ہوگی۔

یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ غلام کی آزادی کو مقدم رکھا ہے۔ اگر غلام میسر نہ آئے تو دوسری متبادل شکلیں، جو آگے مذکور ہیں، اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ اس سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے جس کا اظہار ہم نے سورۂ نور کی تفسیر میں کیا ہے کہ اسلام نے اپنے نظام میں غلاموں کی آزادی کی نہایت وسیع راہیں کھول دی تھیں یہاں تک کہ بہت سے چھوٹے بڑے گناہوں کا کفّارہ بھی غلام آزاد کرنا قرار دے دیا تاکہ اس مہم کو ہر پہلو سے تقویت حاصل ہو۔

منکرات کا ذکر ابہام کے ساتھ

'ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا' میں تھوڑا سا ابہام ہے۔ اس ابہام کی وجہ یہ ہے کہ جس بات کی طرف اشارہ ہے وہ بالبداہت بھی منکر ہے اور قرآن نے بھی اس کو 'مُنْكَر' اور 'زُوْر' قرار دیا ہے۔ ایک منکرات کا ذکر صراحت کے ساتھ موزوں نہیں تھا اس وجہ سے قرآن نے مبہم الفاظ میں اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ مطلب یہی ہے کہ ظہار کے بعد وہ پھر وہی کام کرنا چاہیں جس کو انھوں نے اپنی ماں کی حرمت کی طرح حرام ٹھہرایا تو ان کے لیے ہاتھ لگانے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنے کا حکم ہے۔ اس ابہام کی وضاحت اوّل تو 'مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا' کے الفاظ سے بھی ہو جاتی ہے پھر لیعنہٖ

یہی اسلوبِ کلام اسی سورہ کی آیت ۸ میں بھی استعمال ہوا ہے۔ فرمایا ہے: ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (پھر وہ کرتے ہیں وہی کام جس سے وہ روکے گئے)۔ اسی طرح یہاں بھی اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پھر وہ کریں وہی کام جس سے رکنے کا انھوں نے عہد کیا یا جس کو اپنے اوپر حرام ٹھہرایا۔ 'قَالُوْا' اور 'يَقُوْلُ' وغیرہ کے الفاظ بھی بتقاضائے بلاغت وایجاز جو ابہام ہوا کرتا ہے اس کی ایک عمدہ مثال سورۂ مریم کی آیت ۸۰ میں بھی ہے۔ مزید وضاحت مطلوب ہو تو اس کی تفسیر پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔

'مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا' میں زور اس بات پر ہے کہ یہ کفارہ ہاتھ لگانے سے پہلے پہلے ادا کر دیا جائے۔ آگے والی آیت میں بھی اس قید کا اعادہ ہے جس سے اس کا مؤکد ہونا ظاہر ہوتا ہے اس وجہ سے یہ جائز نہیں ہے کہ غلبۂ نفس سے بے بس ہو کر کفارہ ادا کرنے سے پہلے تعلق قائم کر لیا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو یہ حدود اللہ سے، جیسا کہ آگے ذکر آ رہا ہے، تجاوز ہوگا۔

'ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ' یہ تنبیہ ہے کہ ان باتوں کی نصیحت تمھیں تمھارے رب کی طرف سے کی جا رہی ہے۔ اگر تم نے درپردہ یا علانیہ ان کی خلاف ورزی کی تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمھارے سارے اعمال کی خبر رکھتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جب وہ خبر رکھتا ہے تو اس کی گرفت سے نہ بچ سکو گے۔ 'ذٰلِكُمْ' میں اشارہ ان تمام باتوں کی طرف ہے جو اوپر بیان ہوئیں۔ یعنی نہ تو ظہار کے معاملے میں جاہلیت کے رسوم پر اصرار کرو اور نہ کفارہ سے متعلق جو ہدایت کی جا رہی ہے اس سے فرار کے لیے چور دروازے اور فقہی حیلے ایجاد کرو بلکہ ہر حکم کی تعمیل اس کی صحیح سپرٹ میں کرو۔ اسی میں دین و دنیا دونوں کی فلاح ہے۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۴)

یعنی غلام میسر نہ آئے تو لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے اور اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اس زمانے میں عملاً یہی دو شکلیں باقی رہیں گی اس لیے کہ غلامی ختم ہو چکی ہے اور یہ بات عین منشائے اسلام کے مطابق ہوئی ہے۔

لفظ 'مُتَتَابِعَيْنِ' سے یہ بات نکلتی ہے کہ اگر دو ماہ کے روزے تمام ہونے سے پہلے پہلے اختلاط کر لیا تو ازسرِنو پورے روزے رکھنے پڑیں گے۔

یہاں اگرچہ 'اِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا' کے ساتھ 'مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا' کی قید نہیں ہے لیکن اس صورت میں بھی یہ قید مفہوم ہے۔ اس کے ذکر نہ کرنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ شکل اصل نہیں بلکہ اصل کی فرع ہے تو جب اصل کے ساتھ اس کا ذکر ہے تو فرع کے ساتھ اس کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی۔

'ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ' یہ ان ہدایات کا فائدہ بتایا ہے کہ یہ اس لیے دی گئی ہیں کہ اللہ اور

رسول پر تمہارا ایمان مستحکم ہو۔ 'لِتُؤْمِنُوْا' یہاں عربیت کے معروف اسلوب کے مطابق اپنے کامل معنی میں ہے جس کی مثالیں اس کتاب میں پیچھے گزر چکی ہیں۔ انسان اگر اپنی کسی غلطی یا کمزوری کی تلافی کے لیے کوئی مشقت اٹھاتا ہے تو اس سے اس کی غلطی کی تلافی بھی ہوتی ہے اور اصل مقصد میں اس کے قدم راسخ بھی ہوتے ہیں۔

'وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ' یہ اسی طرح کی تنبیہ ہے جس طرح کی تنبیہ 'ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ' کے الفاظ سے اوپر گزر چکی ہے۔ یعنی یہ اللہ کے مقرر کیے ہوئے حدود ہیں۔ ان کو توڑنے کی جسارت نہ کرنا ورنہ اس کا انجام نہایت برا ہوگا۔

'وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ' یعنی اللہ کے حدود کو توڑنے والے کافر ہیں اور ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے تو بدقسمت ہوں گے وہ لوگ جو اسلام کا دعویٰ رکھتے ہوئے اپنے کو کافروں میں شامل کرلیں۔

ظہار سے متعلق بعض اور سوالات بھی ہیں لیکن ان کا تعلق تفسیر سے نہیں بلکہ فقہ سے ہے اس وجہ سے ہم ان سے تعرّض نہیں کریں گے۔ تفصیل کے طالب فقہی جزئیات کے لیے فقہ کی کتابوں کی مراجعت کریں۔

۲- آگے آیات ۵ - ۱۱ کا مضمون

مجادلۂ حسن کے بعد اب آگے ان لوگوں کا کردار بیان ہو رہا ہے جو مُحادّہ، یعنی اسلام دشمنی اور رسول دشمنی کے روگ میں مبتلا تھے۔ اگرچہ یہ لوگ بظاہر مسلمانوں کے اندر شامل تھے لیکن یہ ساختہ پرداختہ یہود کے تھے اور مسلمانوں کے اندر ان کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ ان لوگوں کا مخصوص طریقۂ کار یہ تھا کہ یہ کسی چیز کو بہانہ بنا کر اسلام اور پیغمبر کے خلاف مسلمانوں کے اندر سرگوشیاں کرتے تاکہ ان کے عقیدے کو متزلزل اور اسلام کے مستقبل سے ان کو مایوس کریں۔ یہاں ان کی انہی ریشہ دوانیوں سے پردہ اٹھایا اور ان کو خبردار کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ایک ایک سرگوشی سے اچھی طرح باخبر ہے اور بہت جلد اس کا انجام ان کے آگے آجائے گا۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رہنے اور مجلسِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کی سرگوشیوں سے پاک رکھنے کی بعض تدبیریں بتائی گئی ہیں ــــ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٥﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ
اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿٦﴾ اَلَمْ تَرَ ع
اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ
نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ
وَلَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ
ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌ ﴿٧﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ
لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ
الرَّسُوْلِ ۫ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ
وَيَقُوْلُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ
جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٨﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَ
مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٩﴾ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ
لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ
اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ
اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪

ترجمہ آیات ۵-۱۱

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف محاذ آرائی کر رہے ہیں وہ ذلیل ہوں گے جس طرح ان سے پہلے ان کے ہم مشرب ذلیل ہوئے اور ہم نے نہایت واضح تنبیہات اتار دی ہیں اور کافروں کے لیے نہایت سخت ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ اس دن کو یاد رکھیں جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا اور ان کو ان کے سارے اعمال سے آگاہ کرے گا۔ اللہ نے اس کو شمار کر رکھا ہے اور یہ لوگ اس کو بھلائے بیٹھے ہیں اور اللہ ہر چیز کے پاس حاضر ہے۔ ۵-۶

کیا سمجھتے نہیں کہ اللہ جانتا ہے اس سارے کو جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے! نہیں ہوتی کوئی سرگوشی تین کے درمیان مگر ان کا چوتھا اللہ ہوتا ہے اور نہ پانچ کے مابین مگر چھٹا وہ ہوتا ہے۔ اور نہ اس سے کم یا زیادہ کی مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں پھر وہ ان کو ان کے سارے کیے سے آگاہ کرے گا قیامت کے دن۔ بے شک اللہ ہر بات کا علم رکھنے والا ہے۔ ۷

کیا نہیں دیکھتے ان کو جو سرگوشیوں سے روکے گئے، پھر وہ وہی کام کر رہے ہیں جن سے روکے گئے اور یہ لوگ گناہ، تعدّی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو تم کو سلام کرتے ہیں ایسے لفظ سے جس سے اللہ نے تم کو سلام نہیں بھیجا اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ اللہ اس کی پاداش میں ہم کو عذاب کیوں نہیں دیتا جو ہم کہتے ہیں۔ ان کے لیے جہنم ہی کافی ہے۔ یہ

اس میں پڑیں گے۔ پس وہ برا ٹھکانا ہے۔ ۸

اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو تو گناہ، تعدّی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کرو بلکہ نیکی اور تقویٰ کی سرگوشی کرو اور اللہ سے ڈرو جس کے حضور میں تم سب اکٹھے کیے جاؤ گے۔ ۹

یہ سرگوشیاں شیطان کی طرف سے ہیں تاکہ وہ ایمان والوں کو غم پہنچائے حالانکہ اللہ کے اذن کے بدون وہ ان کو ذرا بھی نقصان پہنچانے پر قادر نہیں۔ اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ ۱۰

اے ایمان والو، جب تم کو کہا جائے کہ مجلسوں میں کھل کر بیٹھو تو کھل کر بیٹھو، اللہ تمہارے لیے کشادگی پیدا کرے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جاؤ، اللہ ان لوگوں کے، جو تم میں سے اہلِ ایمان ہیں اور جن کو علم عطا ہوا ہے، مدارج بلند کرے گا۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ۱۱

۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (۵)

'محادّۃ' کا مفہوم

'مُحَآدَّۃ' کے معنی مخالفت اور دشمنی کرنے کے ہیں۔ یہ لفظ 'مُوَآدَّۃ' کا مقابل ہے۔ اسی سورہ میں یہ دونوں لفظ ایک ہی آیت میں نہایت خوبی سے استعمال ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے مفہوم پر روشنی ڈال رہے ہیں۔ فرمایا ہے: 'لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ' (۲۲) (تم کوئی ایسی قوم نہیں پا سکتے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتی ہو پھر وہ ان لوگوں کو دوست بنائے جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہوں)۔

اوپر کے پیرے میں، جیسا کہ واضح ہوا، ان لوگوں کا کردار بیان ہوا ہے جن کو دین کے معاملے میں

کوئی مشکل پیش آتی تو وہ اس کو اللہ و رسول کے آگے ہی پیش کرتے اور اپنا شکوہ و مجادلہ اللہ و رسول ہی سے کرتے۔ اب ان کے مقابل میں یہ ان لوگوں کا کردار بیان ہو رہا ہے جو مدعی تو تھے ایمان و اسلام کے لیکن ان کا رویہ اللہ و رسول کے ساتھ مخالفت کا تھا۔ اسلام کی جو بات ان کو اپنے مفاد اور اپنی خواہشوں کے خلاف محسوس ہوتی اس کے خلاف سرگوشیوں اور خفیہ پراپیگنڈے کی مہم شروع کر دیتے تاکہ مخلص مسلمانوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر کے ان کے ایمان و اسلام کو بھی متزلزل کر دیں۔ ان کی ساری ہمدردیاں، جیسا کہ آگے واضح ہو گا، اسلام کے دشمنوں بالخصوص یہود کے ساتھ تھیں۔ یہ مسلمانوں کے اندر یہود کے ایجنٹ تھے اور انہی کے زیرِ ہدایت برابر اس کوشش میں رہتے کہ جو موقع بھی ملے اس سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت زینبؓ کے معاملے میں انھوں نے جو فتنے اٹھائے ان کی تفصیلات سورۂ نور اور سورۂ احزاب کی تفسیر میں گزر چکی ہیں۔ ظہار کا مسئلہ بھی ان مسائل میں سے تھا جس کے بارے میں وہ قرآن کی رعایت کو نکتہ چینی کا ہدف بنا سکتے تھے جس سے سادہ لوحوں کے اندر غلط فہمیاں پھیل سکتی تھیں۔ دورِ جاہلیت میں، جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں، اس کو لوگوں نے طلاقِ مغلظ کا درجہ دے رکھا تھا۔ یہ اشرار آسانی سے لوگوں میں یہ سرگوشی کر سکتے تھے کہ اسلام نے نعوذ باللہ اپنے پیرؤوں کے لیے ماں کے ساتھ نکاح کو بھی جائز کر دیا۔ یہ صورت متقضی تھی کہ اس موقع پر ان شریروں کو اچھی طرح بے نقاب کر دیا جائے تاکہ کوئی فتنہ اٹھانے کی کوشش وہ کریں تو اس کا سدِّ باب ہو سکے۔

رسول کے مخالفین کا انجام

'کُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ'۔ 'کبت' کے معنی ذلیل و خوار کر کے تباہ کرنے کے ہیں۔ فرمایا کہ یہ لوگ ذلیل و خوار ہو کر ان لوگوں کی طرح تباہ ہوں گے جس طرح ان سے پہلے ان کے ہم مشرب تباہ ہو چکے ہیں۔ 'وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ' (اور اس دعوے کی صداقت کی نہایت واضح دلیلیں ہم قرآن میں اتار چکے ہیں) یہ اشارہ ان تاریخی حقائق کی طرف ہے جو قرآن میں نہایت تفصیل سے یہ واضح کرنے کے لیے بیان ہوئے ہیں کہ اللہ کے رسولوں کی مخالفت کرنے والے بالآخر ذلیل و خوار ہو کر تباہ ہوتے ہیں۔

'وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ' فرمایا کہ ان کافروں کے لیے بھی بالآخر ایک ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ یہ اشارہ ان کافروں کی طرف ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں سرگرم تھے۔ فرمایا کہ یہ بھی بالآخر اسی طرح ذلیل و خوار ہوں گے جس طرح ان کے پیش رو ذلیل و خوار ہو چکے ہیں۔ جب ان کا کردار وہی ہے جو ان کا تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کی تاریخ ان سے مختلف ہو۔ اللہ تعالیٰ کا قانون سب کے لیے ایک ہی ہے۔

قرآن کی یہ دھمکی اس وقت پوری ہو گئی جب قریش کی طاقت بھی ختم ہو گئی اور یہود بھی اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ اس وقت ان منافقین کے لیے بھی کوئی جائے پناہ باقی نہیں رہی جو یہود کی زیرِ سرپرستی ریشہ دوانیاں کرتے تھے۔ ان کا حشر بھی وہی ہوا جو ان کے مرشد یہود کا ہوا۔ آگے کی سورتوں میں ان کے انجام کی عبرت انگیز

تفصیل آرہی ہے۔

ان کے عذاب کو ذلیل کرنے والا عذاب اس لیے کہا گیا کہ ان کو نہایت رسوا کن قتل و جلا وطنی اور غلامی کی سزاؤں سے دوچار ہونا پڑا اور کسی کو بھی ان کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہوئی بلکہ سب نے ان پر لعنت ہی کی۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (۶)

'یَوْمَ' کا نصب اگرچہ 'عَذَابٌ مُّهِيْنٌ' سے بھی ہو سکتا ہے لیکن میرے نزدیک یہ معروف ضابطۂ عربیت کے مطابق، فعل محذوف سے منصوب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں تو جو پیش آئے گا آئے گا ہی، یہ لوگ اس دن کو بھی یاد رکھیں جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا اور جو کچھ انھوں نے کیا ہوگا وہ سب ان کے آگے رکھ دے گا۔ 'جَمِيْعًا' کی قید اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہے کہ آج جو سازشیں اور سرگوشیاں ہو رہی ہیں ان کے تمام ارکان و عوامل جمع کیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کے سامنے اس کے سارے راز بے نقاب کر دے گا کہ کس نے کیا مشورے دیے اور کس نے کس طرح اس کی تعمیل کی۔

'فَيُنَبِّئُهُمْ' سے مراد ظاہر ہے کہ اس کا لازم ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کے سارے کیے دھرے سے ان کو آگاہ کرے گا تاکہ وہ اس کے نتائج بھگتیں۔

ایک مغالطہ پر تنبیہ

'اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ' میں ایک بہت بڑے مغالطہ سے آگاہ فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ جس طرح یہ سب کچھ کر کے بھول گئے اللہ بھی اس کو بھول گیا ہے۔ ان لوگوں کو ان کی شرارتوں کی سزا نہیں ملی اس وجہ سے سمجھ بیٹھے کہ اللہ بھول گیا ہے لیکن اللہ نے ان کی ایک ایک حرکت نوٹ کر رکھی ہے اور جزا و سزا کے لیے ایک دن مقرر کر رکھا ہے جس دن سب کی نیکی بدی اس کے سامنے آجائے گی۔

'وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ' یہ اس کی دلیل بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کہیں غائب نہیں ہوتا ہے، بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہوتا ہے اس کے سامنے ہوتا ہے اور وہ ہر جگہ موجود ہوتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۷)

اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے

یہ اوپر والی بات کی مزید وضاحت ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اللہ تعالیٰ ایک ایک چیز سے باخبر ہے۔ وہ ہر ایک کے سامنے اس کا ایک ایک عمل رکھ دے گا۔ 'اَلَمْ تَرَ' کا خطاب یہاں عام ہے اور یہ اسلوبِ بیان اس موقع پر اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یہ ایک ایسی بات ہے جو ہر شخص پر واضح ہونی چاہیے۔ جب اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، وہی اس سارے نظام کو چلا رہا

ہے، اس کے ایک ایک پرزے کی حرکت اس کے اذن سے ہوتی ہے اور اسی کے حکم سے اس کے ایک ایک متنفس کی زندگی ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ آسمانوں اور زمین کی کسی چیز سے بھی وہ بے خبر رہے۔ 'اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ' (کیا وہ نہ جانے گا جس نے سب کو پیدا کیا ہے)۔

'مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ ...... الآیۃ' فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے تو یہ اللہ اور رسول کے خلاف سرگوشیاں کرنے والے یاد رکھیں کہ جب ان کے تین سرگوشیاں کر رہے ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ چوتھا اللہ ہوتا ہے اور جب ان کے پانچ سرگوشیاں کر رہے ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ چھٹا اللہ ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اس سے کم ہوں یا زیادہ اللہ ان کے پاس لازماً ہوتا ہے۔

'اَیْنَ مَا كَانُوْا' اور یہ بات بھی یاد رکھیں کہ وہ جہاں کہیں بھی چھپ کر سرگوشی کریں گے، اللہ وہاں ان کے پاس موجود ہوگا۔ آسمانوں اور زمین میں کوئی گوشہ وہ ایسا نہیں تلاش کر سکتے جہاں وہ اپنے آپ کو خدائے عالم الغیب سے چھپا سکیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَیَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ ۡ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَیَّوْكَ بِمَا لَمْ یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَیَقُوْلُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ یَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِیْرُ (۸)

سرگوشیوں کی اصل غایت

یہ ان کی حالت پر اظہار تعجب ہے کہ ذرا ان کی جسارت تو دیکھو کہ یہ جس نجویٰ سے روکے گئے ہیں اسی کا ارتکاب بار بار کر رہے ہیں اور اس سے بڑی جسارت یہ ہے کہ یہ گناہ، تعدی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی کرتے ہیں اور ان کو نہ ذرا اپنی اس حرکت پر شرم آتی ہے اور نہ ان کو ذرا خوف خدا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب ان کی سرگوشیوں کا آغاز ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حرکتوں پر توجہ دلائی لیکن اس کا انھوں نے کوئی اثر قبول نہیں کیا بلکہ یہ شرارت بڑھتی ہی گئی۔ بالآخر ان آیات میں ان کو آخری تنبیہ فرمائی گئی۔

'وَیَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ'۔ یعنی ان کی ساری سرگوشی میں خیر کا کوئی پہلو نہیں ہوتا حالانکہ سرگوشی، جیسا کہ آگے ذکر آ رہا ہے، خیر کی بھی ہو سکتی ہے لیکن ان کے سینے خیر سے بالکل خالی ہیں اس وجہ سے ان کی ہر سرگوشی گناہ و تعدی اور رسول کے خلاف لوگوں کو بغاوت پر ابھارنے کے لیے ہوتی ہے۔ 'اِثْم' ان گناہوں کو کہتے ہیں جن میں حق تلفی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اور 'عُدْوَان' ان گناہوں کے لیے آتا ہے جن میں تعدی، سرکشی اور طغیان کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ یہ دونوں لفظ جب ایک ساتھ استعمال ہوتے ہیں تو گناہ کی تمام اقسام پر حاوی ہو جاتے ہیں۔

'مَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ' کے الفاظ یہاں ان اشرار کی سرگرمیوں کے اصل ہدف کے اظہار کے لیے آئے

ہیں کہ ان کی اس تمام تگ و دو کا مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر اللہ کے رسول کے خلاف بغاوت کا جذبہ ابھاریں تاکہ یہ شیرازہ درہم برہم ہو جائے۔

یہ منافقین، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا اور آگے تفصیل آ رہی ہے، یہود کے ساختہ پرداختہ تھے اور ان کی تمام سرگرمیوں کا منتہا یہ تھا کہ صحابہؓ کے اندر کوئی ایسا فتنہ برپا کریں کہ یہ گروہ ایک ناقابلِ شکست طاقت بننے سے پہلے پہلے ختم ہو جائے۔ ان کے ان فتنوں کی تفصیلات پیچھے بھی اس کتاب میں گزر چکی ہیں اور آگے بھی آئیں گی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل و رسوا کیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے جو حزب اللہ منظم ہوئی وہ حق کے تمام دشمنوں پر غالب آگئی۔

اشرار کی کینہ توزی

'وَإِذَا جَآءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ'۔ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان شریروں کی کینہ توزی کی ایک مثال بیان ہوئی ہے کہ جب یہ تمھارے پاس آتے ہیں تو تمھیں سلام کرتے ہوئے اس لفظ کے بالکل برعکس لفظ استعمال کرتے ہیں جو اللہ نے تمھارے لیے پسند فرمایا۔ اللہ اور اس کے ملائکہ تو تمھارے اوپر رحمت اور سلام بھیجتے ہیں[1] اور ان بدبختوں کا حال یہ ہے کہ تمھیں سلام کرتے ہوئے لفظ 'السلام'، اس طرح بگاڑ کر نکالتے ہیں کہ 'اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ'، 'اَلسَّامُ عَلَيْكَ'[2] بن جاتا ہے۔

'بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ' کے الفاظ سے مقصود ان کی شقاوت کو ظاہر کرنا ہے کہ ان لوگوں کی بدبختی و محرومی میں کیا شک کی گنجائش رہی جو اس ذاتِ اقدس کے لیے موت کی بددعا کریں جس پر اللہ اور اس کے فرشتے درود و سلام بھیجیں! اس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پیامِ تسلی بھی ہے کہ اگر یہ تمھارے لیے موت کے متمنی ہیں تو رہیں، تمھارے اوپر خدا کی رحمت اور اس کے فرشتوں کی دعائے رحمت ہے تو تمھیں کسی اور کی دعا و بددعا کی کیا پروا!

یہود اور ان کے ایجنٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے لیے اپنی زبان توڑ مروڑ کر الفاظ کو جس طرح بگاڑتے تھے اس کی مثالیں سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکی ہیں۔ 'رَاعِنَا' اور 'سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا' کے تحت ہم ان کی اس شرارت پر روشنی ڈال چکے ہیں[3]۔ اسی قسم کا تصرف لفظ 'اَلسَّلَامُ' میں کر کے اس کو وہ 'اَلسَّامُ' کر دیتے کہ سننے والے کو دھوکا 'اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ' کا ہوتا حالانکہ فی الحقیقت وہ 'اَلسَّامُ عَلَيْكَ' کہتے۔

---

[1] چنانچہ الاحزاب - ۳۳ : ۵۶ میں ارشاد ہے: 'إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ..... الآیۃ' (بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر سلام و رحمت بھیجتے ہیں)

[2] عربی میں لفظ 'سام' موت کے معنی میں آتا ہے۔

[3] ملاحظہ ہو تدبر قرآن: جلد اول، صفحات: ۲۵۰ - ۲۵۲ اور ۲۲۸

وَيَقُولُونَ فِي أَنفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ ۔ یہ ان کے اس مغالطے کی طرف اشارہ ہے جس کے سبب سے وہ اپنی ان شرارتوں میں دلیر ہوتے جا رہے تھے۔

فرمایا کہ ان کی ان شرارتوں پر چونکہ فوراً پکڑ نہیں ہو رہی ہے اس وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ رسول کی تکذیب و تضحیک میں یہ بالکل بجانب حق ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر یہ اللہ کے رسول ہوتے تو لازماً ان باتوں پر ہماری پکڑ ہو جاتی لیکن جب اس طرح کی کوئی بات نہیں ہو رہی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا دعویٰ محض دھونس ہے۔

حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۖ فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۔ فرمایا کہ ان کے لیے جہنم ہی کافی ہے جس میں وہ لازماً پڑیں گے اور وہ نہایت برا ٹھکانا ہے۔ اس کے ہوتے اس دنیا میں اگر ان کے اوپر عذاب نہ بھی آئے تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ وہی ساری کسر پوری کر دینے کے لیے کافی ہے۔

ان اشرار کو اس دنیا میں بھی عذاب کی دھمکی دی گئی ہے، جیسا کہ اوپر آیت ۵ میں اشارہ گزر چکا ہے اور آگے بھی آ رہا ہے، لیکن اصل حقیقت یہی ہے کہ جب جہنم موجود ہے تو اس کے ہوتے دنیا کی پکڑ سے کوئی بچ بھی گیا تو اس میں اس کے لیے اطمینان کا کوئی پہلو نہیں ہے۔

شریروں کا اصل مغالطہ

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ انسان کی غفلت اور سرکشی میں سب سے زیادہ اضافہ اس کے اسی مغالطہ سے ہوتا ہے جو یہاں مذکور ہوا۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ اس کی شرارتوں پر اس دنیا میں کوئی گرفت نہیں ہو رہی ہے تو وہ مطمئن ہو بیٹھتا ہے کہ اس پر کہیں بھی اور کبھی بھی گرفت نہیں ہوگی اور رسول جو ڈراوے سناتے پھر رہے ہیں یہ محض ان کی دھونس ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ حالانکہ یہ محض انسان کی بے بصیرتی ہے۔ اگر اعمال کے نتائج فوراً سامنے آ جانے والے ہوتے تو کس کی مجال تھی کہ وہ نیکی کے سوا کبھی بدی کی جرأت کر سکتا۔ پھر تو سبھی صالح و متقی بن کے رہتے۔ اس دنیا کا اصل بھید تو یہی ہے کہ یہ دار الجزاء نہیں بلکہ دار الامتحان ہے۔ دار الجزاء آگے ہے اور وہ اس کائنات کی سب سے زیادہ واضح اور اٹل حقیقت ہے۔ اگر وہ نہ ہو تو یہ سارا عالم ایک اندھیر نگری اور کسی کھلنڈرے کا کھیل بن کر رہ جاتے گا حالانکہ اس عالم کا خالق کوئی کھلنڈرا نہیں بلکہ وہ بالبداہت ایک عزیز و حکیم ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ (۹)

نجویٰ کی پاکیزہ قسم

یہ مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ نجویٰ، بجائے خود کوئی بری چیز نہیں ہے۔ اجتماعی و معاشرتی زندگی میں ایسے مواقع بھی پیش آتے ہیں جب باہم دگر رازدارانہ مشورے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

شوریٰ اجتماعی زندگی کی اساسات میں سے ہے اور اس میں رازداری کی ضرورت بھی پیش آسکتی ہے۔ اگر یہ مشورت نیکی، تقویٰ اور اصلاحِ ذات البین کے لیے ہے تو یہ نجویٰ باعث خیر و برکت ہے اور تم جب بھی کوئی رازدارانہ مشورت کرو تو کسی مقصدِ خیر ہی کے لیے کرو۔ البتہ وہ نجویٰ شیطانی نجویٰ ہے جو گناہ، تعدی اور معصیتِ رسول کے مقصد سے یہ منافقین کرتے ہیں۔ اہلِ ایمان کو اس سے بچنا چاہیے اور اس اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے جس کے حضور میں سب اکٹھے کیے جائیں گے اور جو سب کے نجویٰ سے اچھی طرح باخبر ہوتا ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

إِنَّمَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (۱۰)

اہلِ ایمان کو تسلی

یہ مومنین مخلصین کو تسلی دی گئی ہے کہ منافقین کی یہ ساری سرگوشیاں شیطان کی تحریک اور اس کی وسوسہ اندازی سے وجود میں آئی ہیں اور شیطان زیادہ سے زیادہ بس یہی کر سکتا ہے کہ اس طرح کی باتوں سے اہلِ ایمان کے دلوں کو ذرا رنج و ملال پہنچا دے۔ اس سے زیادہ اس کے امکان میں کچھ نہیں ہے۔ وہ اللہ کے اذن کے بدون اہلِ ایمان کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا تو اہلِ ایمان کو چاہیے کہ وہ شیطان کی ان وسوسہ اندازیوں کی کوئی پروا نہ کریں بلکہ اپنے موقف پر ڈٹے رہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھیں کہ وہ ان کو ہر شریر کی شرارت سے محفوظ رکھے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَإِذَا قِيلَ انْشُزُوا فَانْشُزُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (۱۱)

مجلسِ نبوی کو نجویٰ سے پاک رکھنے کے لیے بعض ہدایات

منافقین کی سرگوشیاں یوں تو ہر مجلس و مقام میں ہوتی تھیں لیکن مجالسِ نبوی میں اس شرارت کے لیے وہ خاص اہتمام کرتے اس لیے کہ اسلام پر طعن، مسلمانوں کی دل آزاری و حوصلہ شکنی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تضحیک کے مواقع سب سے زیادہ ان کو وہیں ملتے۔ چنانچہ وہ مجلسِ نبوی میں اپنے مخصوص جتھے بنا کر بیٹھتے اور اس امر کا اہتمام رکھتے کہ کوئی غیر ان کے درمیان نہ گھسنے پائے تاکہ وہ حضورؐ کی باتوں پر جو نقد و تبصرہ اور جو طعن و طنز کرنا چاہیں آسانی سے کر سکیں۔ بسا اوقات وہ یہ بھی کرتے کہ حضورؐ مجلس سے اٹھ جاتے یا مجلس کے برخاست ہونے کا اعلان ہو جاتا لیکن یہ لوگ اپنے مفسدانہ اغراض کے لیے دھرنا دیے بیٹھے رہتے تاکہ لوگوں کے اندر کچھ وسوسہ اندازی کریں یا آپس میں کسی نئی شرارت کی کوئی سکیم بنائیں۔ یہ صورتِ حال متقتضی ہوئی کہ مجلسِ نبوی سے متعلق کچھ ایسی ہدایات دے دی جائیں کہ منافقین اس کو اپنے شیطانی نجویٰ کے لیے استعمال نہ کر سکیں۔

بعض مجلسی آداب

'اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا' قرینہ دلیل ہے کہ 'مجلس' سے یہاں مراد اصلاً مجلسِ نبوی ہے لیکن لفظ جمع استعمال کر کے یہ رہنمائی دی گئی ہے کہ یہاں جو آداب بتائے جا رہے ہیں وہ مسلمانوں کی تمام مجالس کے لیے عام ہیں تاکہ ان کی ہر مجلس میں مجلسِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا عکس پایا جائے۔ قرآن میں اسی طرح بعض جگہ لفظ 'مساجد' جمع کی شکل میں استعمال ہوا ہے۔ اگرچہ اصلاً اس سے مراد مسجدِ حرام ہے، جیسا کہ 'اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ' (التوبۃ - ۹: ۱۸) میں ہے لیکن لفظ جمع استعمال کر کے یہ تعلیم دی گئی کہ جو ہدایت اس مرکزی مسجد سے متعلق دی جا رہی ہے وہی حکم تمام مساجدِ الٰہی کا ہو گا اس لیے کہ وہ سب اسی کے تابع ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جب صدرِ مجلس کی طرف سے ہدایت کی جائے کہ لوگ مجلس میں کھل کر بیٹھیں تو اس حکم کی بے چون و چرا تعمیل ہونی چاہیے اور ایک دوسرے سے ہٹ ہٹ کر بیٹھنا چاہیے تاکہ دوسرے آنے والوں اور بیٹھنے والوں کو آسانی بھی ہو اور منافقین کے لیے مجلسِ نبوی میں جتھہ بندی کر کے بیٹھنے اور سرگوشیاں کرنے کی گنجائش بھی کم ہو جائے۔ اوپر ہم نے اشارہ کیا کہ منافقین مجلسِ نبوی میں، ایک پارٹی کی شکل میں اس طرح بیٹھتے کہ ان کے جتھے سے باہر کے کسی آدمی کے لیے ان کے اندر گھسنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے تاکہ وہ جس ردِ عمل کا اظہار کرنا چاہیں اس میں نہ دوسرے کوئی مزاحمت پیدا کر سکیں، نہ ان کی سرگوشیوں، ان کے اشاروں، کنایوں اور ان کے طنزیہ فقروں کی پردہ دری ہو سکے۔ اپنے اس طرزِ عمل سے انھوں نے بعض اوقات بڑی بڑی الجھنیں پیدا کر دیں جن کی تفصیلات تاریخ کی کتابوں میں بھی موجود ہیں اور قرآن نے بھی ان کی طرف اشارے کیے ہیں۔ اس سورہ کے زمانۂ نزول میں، جیسا کہ واضح ہے، یہ فتنہ بہت بڑھ گیا تھا۔ اس کے سدِّ باب کے لیے ہدایت ہوئی کہ جب صدرِ مجلس کی طرف سے حکم دیا جائے کہ لوگ کھل کر بیٹھیں تو لوگوں کو اس حکم کی بے چون و چرا تعمیل کرنی چاہیے۔

'فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰہُ لَکُمْ'۔ یعنی اگر تم دوسروں کے لیے کشادگی پیدا کرو گے تو اللہ بھی تمھارے لیے کشادگی پیدا کر دے گا۔ اگرچہ اس کا ظاہر مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے جنت میں کشادگی پیدا کرے گا لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو انسان اپنا سینہ دوسروں کے لیے کشادہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ دوسروں کے سینے اس کے لیے اس دنیا میں بھی کشادہ کر دیتا ہے۔ آدمی کا ہر عمل، ظاہری ہو یا باطنی، نیک ہو یا بد، اپنا ایک قدرتی اثر رکھتا ہے جس کا حقیقی ظہور تو آخرت ہی میں ہو گا لیکن اس کے برگ و بار اس دنیا میں بھی دیکھے جاتے ہیں بشرطیکہ دیکھنے والی آنکھیں ہوں۔

'وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا'۔ یعنی اسی طرح صدرِ مجلس کی طرف سے اگر اٹھ کھڑے ہونے کا حکم دیا جائے تو اس کی بھی بے چون و چرا بغیر کسی احساسِ کہتری کے، تعمیل کی جائے۔

اس حکم کی نوعیت اجتماعی بھی ہو سکتی ہے، انفرادی بھی۔ مطلب یہ ہے کہ پوری مجلس برخاست کر دی

جائے تو لوگ اس کو بھی بخوشی قبول کریں، یہ نہ خیال کریں کہ ہمارے وقت کی ناقدری کی گئی۔ ذاتی آرام کو جماعتی کام پر ترجیح دی گئی، ہمیں اظہارِ خیال کا موقع نہیں دیا گیا، اس بارے میں ہماری رائے نہیں لی گئی۔

اسی طرح انفرادی طور پر بھی اگر کسی شخص کو ہدایت کی جائے کہ وہ مجلس میں اپنی جگہ سے اٹھ کر کسی دوسری جگہ بیٹھ جائے، یا مجلس سے باہر چلا جائے یا اپنی جگہ کسی دوسرے کے لیے خالی کر دے تو وہ اس حکم کی بھی بغیر کسی نکیر کے، تعمیل کرے۔ اجتماعی نظمِ زندگی کے احترام میں اگر وہ یہ کسرِ نفسی گوارا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے اس ایثار کو ذریعۂ رفعت بنائے گا۔

'فَانْشُزُوْا یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ...... الآیۃ' یہ بالکل مقابل میں ہے 'فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ' کے۔ یعنی اس کھڑے ہونے میں بظاہر ذلت بھی ہو تو اللہ اس کو ان لوگوں کے لیے باعثِ عزت و رفعت بنائے گا جو تم میں سے اہلِ ایمان ہیں۔

یہاں 'الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ' کے الفاظ بڑے معنی خیز ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تمھارے اندر جو منافقین گھسے ہوئے ہیں وہ تو اس قسم کے حکم پر بہت ناک بھوں چڑھائیں گے کہ ان کی توہین ہوئی کہ ان کو اٹھا کر دوسروں کو ان کی جگہ دی گئی۔ ان میں سے بعض یہ بھی محسوس کریں گے کہ کیا وہ باعتبارِ علم و عمل فلاں اور فلاں سے فروتر تھے کہ ان کو ان کے اوپر ترجیح دی گئی لیکن جو اہلِ ایمان و اصحابِ علم خوش دلی سے اس حکم کی تعمیل کریں گے اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کے مدارج پر مدارج بلند کرے گا۔

'وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ'۔ یہاں اصحابِ ایمان و علم کو تسلی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے ہر عمل سے باخبر ہے۔ اس کو آگاہ ہونے کے لیے اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ تمھاری خدمات کا اشتہار اخباروں میں چھپے تب ہی اس کے علم میں آئے۔ تم دین و ملت کے قیام اور نظمِ جماعت کے احترام کی خاطر جو ایثار بھی کرو گے اللہ اس سے باخبر ہے اور وہ اس کا بھرپور صلہ دے گا۔

عصرِ حاضر کی مجالس کا حال

یہ ہدایت اگرچہ اصلاً مجلسِ نبوی سے متعلق دی گئی ہے لیکن، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، یہی آداب مسلمانوں کی تمام مجالس میں ملحوظ ہونے چاہئیں۔ آج اہلِ مغرب کی کورانہ تقلید میں جو طریقے اختیار کر لیے گئے ہیں اگرچہ ان کو بہت ترقی یافتہ خیال کیا جاتا ہے لیکن یہ انھی کی برکت ہے کہ ہماری پارلیمنٹیں اور کونسلیں اکھاڑے بنتی جا رہی ہیں جن میں مختلف پارٹیاں جتھے بنا بنا کر آتی ہی ایک دوسرے کو شکست دینے، اشارہ بازیاں اور سرگوشیاں کرنے، فقرے اور پھبتیاں چست کرنے کے لیے ہیں، یہاں تک کہ بسا اوقات ایک دوسرے کا منہ نوچنے اور ان پر جوتے اور کرسیاں پھینکنے تک بھی نوبت آ جاتی ہے اور صدرِ مجلس کو 'آدابِ مجلس' کی یاد دہانی کے بجائے پولیس کی مدد حاصل کرنی پڑتی ہے۔

۴۔ آگے آیات ۱۲۔۱۳ کا مضمون

اوپر کی آیات میں جس طرح مجلسِ نبوی کو سرگوشیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے بعض تدبیریں بتائی گئی ہیں اسی طرح آگے کی آیت میں خود ذاتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سرگوشیاں کرنے والوں کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے ایک ہدایت دی گئی۔ جب یہ فتنہ بڑھا اور اس پر قرآن میں نکیر بھی فرمائی گئی تو بہت سے منافقین نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رازدارانہ طور پر مل کر اپنی صفائی پیش کرنے اور اپنے سر کا الزام دوسرے بے گناہوں کے سر تھوپنے کی کوشش میں لگ گئے۔ یہ لوگ کھلی مجلس میں تو اپنی صفائی پیش کرنے کا حوصلہ کر نہیں سکتے تھے اس وجہ سے ہر ایک کی کوشش یہ رہی ہوگی کہ اس کو حضورؐ سے خلوت میں بات کرنے کا موقع ملے۔ یہ صورتِ حال مقتضی ہوئی کہ آپ سے ملاقات پر بعض پابندیاں عائد کر دی جائیں تاکہ ہر شخص آپ کا وقت ضائع نہ کر سکے۔ یہ حکم ایک ہنگامی حکم تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب اس کا مقصد پورا ہو گیا تو یہ منسوخ کر دیا گیا اور منسوخ کرنے والی آیت کو بھی قرآن کی ترتیب میں ابتدائی حکم کے ساتھ ہی جگہ دی گئی تاکہ نظمِ کلام کے سمجھنے میں کوئی زحمت نہ پیش آئے۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۱۲-۱۳
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا
بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ
اَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾
ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ
فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا
ع ۲ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمۂ آیات ۱۲-۱۳
اے ایمان والو، جب تمھیں رسول سے رازدارانہ بات کرنی ہو تو اپنی رازدارانہ بات سے پہلے کچھ صدقہ کرو۔ یہ تمھارے لیے زیادہ بہتر اور زیادہ پاکیزہ ہے۔ پس

اگر اس کی استطاعت نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ ۱۲

کیا تم اس بات سے اندیشہ ناک ہوئے کہ اپنی رازدارانہ باتوں سے پہلے صدقے پیش کرو، پس جب تم نے یہ نہیں کیا اور اللہ نے تم پر رحم فرمایا تو نماز کا اہتمام رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔ ۱۳

۵۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱۲)

سرگوشیوں کو روکنے کے لیے ایک ہنگامی حکم

یہ حکم، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، سرگوشیوں کی اس وبائے عام کے زمانے میں اس لیے دیا گیا کہ منافقین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز اوقات میں مداخلت سے روکا جائے۔ جب ان لوگوں کے رویّہ پر گرفت ہوئی تو ان میں سے ہر ایک کو فکر ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں مل کر اپنی چکنی چپڑی باتوں سے آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش بھی کرے اور ہو سکے تو اپنے گناہوں کا بوجھ کسی دوسرے بے گناہ کے سر تھوپ دے۔ حضورؐ نے اپنی ملاقاتوں پر چونکہ کوئی پابندی نہیں رکھی تھی اس وجہ سے اس طرح کے اصحاب الاغراض حضورؐ کی اس فیاضی سے بہت غلط فائدے اٹھاتے۔ اس دور میں انھوں نے اس سے خاص طور پر فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہو گی اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پابندی عائد کر دی گئی کہ جو شخص آپ سے تنہائی میں کوئی رازدارانہ بات کرنی چاہے وہ اس سے پہلے راہِ خدا میں کچھ صدقہ کرے۔ اس حکم سے ان لوگوں کو مستثنیٰ رکھا گیا جو نادار ہوں تاکہ یہ حکم کسی غریب مسلمان کے لیے باعثِ زحمت نہ بنے اور صدقے کی کوئی مقدار بھی معیّن نہیں کی گئی تاکہ لوگ اس کو زیادہ گراں نہ محسوس کریں۔

اس سے اصل مقصود، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، منافقین کے بڑھتے ہوئے رجحانِ سرگوشی کی حوصلہ شکنی تھا۔ بخل اور حرصِ مال کی بیماری ان منافقین میں عام تھی۔ قرآن نے ان کی اس بیماری کی جگہ جگہ نشان دہی کی ہے۔ اس وجہ سے قرآن نے یہ پابندی عائد کر دی تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

تنہائی میں ملاقات کا معاملہ ایک سنجیدہ معاملہ بن جائے کہ اس طرح کے لوگ اپنی بخالت کے سبب سے اوّل تو اس کا حوصلہ ہی نہ کریں اور اگر کریں تو ان کا انفاق ان کے لیے تطہیر و تزکیہ کا ذریعہ بنے اور فساد کی باتوں سے ان کو بچنے کی توفیق حاصل ہو۔

ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ۔ اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ اگر تم اس پر نیک نیتی سے عمل کرو گے تو یہ تمہارے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں بھلائی کا ذریعہ اور تمہارے دلوں کو پاک کرنے کا وسیلہ ہوگا۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ حکم پیغمبرؐ کے آرام و آسائش کے خیال سے نہیں بلکہ تمہاری صلاح و فلاح کے لیے دیا جا رہا ہے بشرطیکہ تم اس کی قدر کرو۔

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ یعنی غریبوں اور ناداروں کے لیے بدستور پیغمبرؐ سے تنہائی میں ملنے اور عرض معروض کرنے کی راہ کھلی ہوئی ہے۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۱۳)

ناسخ اور منسوخ دونوں یکجا ہیں

یہ آیت کچھ عرصہ کے بعد سابق آیت کے حکم کو منسوخ کرنے کے لیے نازل ہوئی لیکن اس کو جگہ یہیں سورہ کے بیچ میں اصل ابتدائی حکم کے ساتھ ہی دی گئی تاکہ منسوخ اور ناسخ دونوں آیتیں یکجا ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں آیتوں کے درمیان اتنا وقفہ گزرا ہوگا کہ سابق حکم کا مقصد فی الجملہ پورا ہوگیا ہوگا یعنی منافقین کی سرگرشیوں کا وہ فتنہ دب گیا ہوگا جس کو دبانے کے لیے صدقہ کا مذکورہ بالا حکم نازل ہوا۔ لیکن بعض تفسیری روایات سے کچھ ایسا مترشح ہوتا ہے کہ ان دونوں آیتوں کے درمیان بس صبح و شام کا فاصلہ ہے۔ غالباً اس خیال کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں آیتیں قرآن میں ایک ہی جگہ ہیں لیکن یہ چیز اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ دونوں کے زمانۂ نزول میں سرے سے کوئی فرق ہی نہ ہو یا محض برائے نام فرق ہو۔ قرآن میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ناسخ آیت عرصہ کے بعد نازل ہوئی لیکن ترتیب میں اس کو جگہ منسوخ حکم کے ساتھ ہی ملی۔ اس کی ایک نہایت واضح مثال سورۂ مزمّل میں موجود ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی کی ملاقاتوں پر جو پابندی عائد کی گئی وہ، جیسا کہ ہم نے وضاحت کی، ایک خاص فتنہ کے سدّباب کے لیے، ایک خاص دور میں عائد کی گئی تھی۔ یہ پابندی اسی وقت اٹھائی گئی ہوگی جب یہ فتنہ یا تو دب گیا ہوگا یا لوگوں کے اندر اس سے احتراز کا احساس پیدا ہوگیا ہوگا۔ یہ مقصد چند گھنٹوں میں پورا نہیں ہو سکتا۔ اس میں لازماً کچھ وقت صرف ہوا ہوگا اس وجہ سے ان دونوں آیتوں کے زمانۂ نزول میں اتنا بُعد لازماً ہوگا جتنا اس طرح کے کسی مقصد کے حاصل ہونے کے لیے ضروری ہے۔

'ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ' سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے کا رجحان جو بہت بڑھ رہا تھا وہ اس حکم کے بعد دب گیا۔ منافقین تو اپنی بخالت کے سبب سے رک گئے ہوں گے اور مخلصین غربت کے علاوہ اس وجہ سے بھی محتاط ہو گئے ہوں گے کہ انھوں نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رازدارانہ کوئی بات کرنی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ بہرحال اس ہنگامی حکم سے جو اصل مقصود تھا جب ایک حد تک وہ حاصل ہو گیا تو یہ منسوخ کر دیا گیا۔

'فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ' سے ایک تو یہ بات نکلتی ہے کہ لوگوں نے نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رازدارانہ بات کرنے کی جرأت کی، نہ صدقہ دینے کی نوبت پیش آئی اور دوسری بات یہ نکلتی ہے کہ لوگوں کے اندر فی الجملہ ندامت کا احساس ابھرا کہ اب تک ان کی جو روش رسول کے معاملے میں رہی وہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں پسندیدہ نہیں تھی اس وجہ سے وہ مستحق تادیب و تنبیہ ٹھہرے۔ 'تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ' کے معنی ہیں اللہ نے تمھاری توبہ قبول کی۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ نظرِ کرم ان پر اس وجہ سے ہوئی کہ انھوں نے اپنے احساسِ ندامت سے اپنے آپ کو اس کا سزاوار بنایا۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ سخت دل ایسے بھی رہے ہوں جو اس تنبیہ کے بعد بھی متنبہ نہ ہوئے ہوں لیکن آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بحیثیتِ مجموعی لوگوں کے اندر ندامت کا احساس پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ جب جماعت کے اندر کوئی اچھا احساس بحیثیتِ مجموعی ابھرتا ہے تو اس کو وہ قبولیت سے محروم نہیں فرماتا۔ چنانچہ یہ پابندی اٹھالی گئی۔

'فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ..... الاٰية'۔ یہ بات بطورِ بدرقہ ارشاد ہوئی ہے کہ یہ پابندی اگرچہ اٹھالی گئی لیکن احتیاط کے طور پر ضروری ہے کہ نماز و زکوٰۃ اور اللہ و رسول کی اطاعت کا خاص اہتمام رکھو تاکہ معاشرے میں اس طرح کی بحرانی کیفیت پھر نہ پیدا ہونے پائے اور شیطان کو نجویٰ کا فتنہ اٹھانے کا موقع پھر نہ مل سکے۔

'وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ'۔ اور اس حقیقت کو ہمیشہ مستحضر رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمھارے ہر عمل سے باخبر ہے۔

۶۔ آگے آیات ۱۴-۲۲ کا مضمون

بیچ میں جو ناسخ آیت آگئی تھی اس کی نوعیت جملہ معترضہ کی تھی۔ اس کے ختم ہوتے ہی سلسلۂ کلام پھر منافقین کے ذکر سے مربوط ہو گیا اور یہ بتایا گیا کہ ان منافقین کا اصل رشتہ اسلام کے ساتھ نہیں بلکہ اسلام کے دشمن یہود کے ساتھ ہے۔ یہ ان سے دوستی رکھتے ہیں اور اپنی جھوٹی قسموں کے بل پر

مسلمانوں کے اندر گھسے ہوئے ہیں۔ ان کی اصل بیماری دنیا کی محبت ہے جس کے سبب سے یہ شیطان کے ساتھی بنے ہوئے ہیں اور اللہ کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ غلبہ اللہ اور اس کے رسول کو حاصل ہوگا اور شیطان کی پارٹی شکست کھائے گی۔ ایمان باللہ کے ساتھ اعدائے دین کی دوستی جمع نہیں ہو سکتی۔ سچے اہل ایمان وہی ہیں جو اعدائے دین سے اپنے تمام تعلقات کاٹ لیں اگرچہ وہ ان کے کتنے ہی قریبی رشتہ دار اور عزیز ہوں۔ یہی لوگ اللہ کی پارٹی ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمایئے۔

آیات ۱۴-۲۲
أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ
مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ
يَعْلَمُونَ ﴿١٤﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا إِنَّهُمْ سَاءَ
مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿١٦﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ
أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ
هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٧﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ
لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ أَلَا إِنَّهُمْ
هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٨﴾ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ
اللَّهِ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ
الْخَاسِرُونَ ﴿١٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ
فِي الْأَذَلِّينَ ﴿٢٠﴾ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ
عَزِيزٌ ﴿٢١﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ

أَبْنَآءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰٓئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ
الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِي
مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ ع
٣ ع ٩ ٤ عَنْهُ ۚ أُولَٰٓئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾

ترجمۂ آیات ۱۴-۲۲

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اس قوم سے دوستی رکھتے ہیں جس پر اللہ کا غضب ہوا! یہ لوگ نہ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے ہیں۔ اور یہ جھوٹی بات پر جانتے بوجھتے قسم کھاتے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے ایک سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، بے شک نہایت بُرا ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔ انھوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے اور اللہ کی راہ سے رک گئے ہیں تو ان کے لیے ایک ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ ۱۴-۱۶

ان کے مال اور ان کی اولاد ان کو اللہ کے عذاب سے ذرا بھی بچانے والے نہیں بنیں گے۔ یہ لوگ دوزخ والے ہیں۔ یہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔ جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ اس سے بھی اسی طرح قسم کھائیں گے جس طرح تم سے کھاتے ہیں اور گمان کریں گے کہ وہ ایک بنیاد پر ہیں۔ آگاہ ہو کہ یہ لوگ بالکل ہی جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان مسلّط ہو گیا ہے پس اس نے ان کو خدا کی یاد بھلا دی ہے۔ یہ لوگ شیطان کی پارٹی ہیں۔ سن لو کہ شیطان کی پارٹی ہی نامراد ہونے والی ہے۔ ۱۷-۱۹

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے برسرِ مخالفت ہیں، وہی لوگ ذلیل ہونے والوں میں ہوں گے۔ اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ بے شک میں غالب رہوں گا اور میرے رسول۔

بے شک، اللہ قوی و عزیز ہے۔ ۲۰-۲۱

تم کوئی ایسی قوم نہیں پا سکتے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتی ہو اور وہ دوستی رکھے ان سے جو اللہ اور اس کے رسول سے برسرِ مخالفت ہوں اگرچہ وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا اہلِ کنبہ ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت فرما دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک فیضانِ خاص سے ان کی تائید فرمائی ہے اور ان کو داخل کرے گا ایسے باغوں میں جن کے اندر نہریں جاری ہوں گی، ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے یہی لوگ اللہ کی پارٹی ہیں۔ سن رکھو کہ اللہ کی پارٹی ہی فلاح پانے والی ہے! ۲۲

۷۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ ۭ مَا ھُمْ مِّنْکُمْ وَلَا مِنْھُمْ ۙ
وَیَحْلِفُوْنَ عَلَی الْکَذِبِ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ (۱۴)

منافقین اپنے مفاد کے سوا کسی کے ساتھ نہیں ہیں

یہاں منافقین کے حال پر اظہارِ تعجب ہے کہ ایک طرف تو یہ ان لوگوں کے دوست بنے ہوئے ہیں جو اللہ کے مغضوب ہیں دوسری طرف یہ تم کو (مسلمانوں کو) بھی قسمیں کھا کھا کے یقین دلاتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ فرمایا کہ مَا ھُمْ مِّنْکُمْ وَلَا مِنْھُمْ 'نہ یہ لوگ تمہارے ساتھ ہیں اور نہ ان کے ساتھ ہیں۔ تمہارے ساتھ تو اس وجہ سے نہیں ہیں کہ اللہ اور رسول پر ایمان اور اللہ کے مغضوبوں کے ساتھ دوستی میں نسبت، ضدین کی ہے یہ دونوں چیزیں بیک وقت جمع نہیں ہو سکتیں اور ان کے ساتھ یہ اس وجہ سے نہیں ہیں کہ ان کی دوستی اپنے مفاد کے ساتھ ہے۔ اگر ان پر کوئی سخت وقت آیا تو یہ ان کی خاطر کوئی چوٹ کھانے کو تیار نہیں ہوں گے بلکہ شیطان کی طرح اظہارِ برارت کر کے بھاگ کھڑے ہوں گے۔

'وَیَحْلِفُوْنَ عَلَی الْکَذِبِ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ'۔ یعنی وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اپنے مفاد کے سوا وہ کسی کے ساتھ نہیں ہیں لیکن وہ جھوٹی قسمیں کھا کھا کے تم کو بھی راضی رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ان کو بھی
'غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ' سے اشارہ یہود کی طرف ہے جن کو قرآن کی پہلی ہی سورہ میں مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ

کہا گیا ہے۔ اگرچہ ان منافقین کی دوستی مشرکین مکہ سے بھی تھی جس کا ذکر تفصیل سے اگلی سورتوں میں آئے گا لیکن یہاں خاص طور پر یہود کے ساتھ ان کی موالات کی طرف اشارہ ہے۔ ہم پیچھے اشارہ کر آئے ہیں کہ یہ منافقین زیادہ تر یہود ہی کے ساختہ پرداختہ اور انہی کے ایجنٹ کی حیثیت سے مسلمانوں کے اندر گھسے ہوئے تھے۔

أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۱۵)

یعنی یہ بدقسمت لوگ سمجھ رہے ہیں کہ انھوں نے بڑی دانشمندانہ سیاست اختیار کی ہے کہ اپنی قسموں کے ذریعہ سے دونوں کو مطمئن کر رکھا ہے۔ حالانکہ یہ دانشمندانہ سیاست نہیں بلکہ نہایت مہلک کھیل ہے جو یہ کھیل رہے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں اللہ نے ان کے لیے ایک سخت عذاب تیار کر رکھا ہے جس سے یہ دوچار ہوں گے۔ اللہ اور رسول کے دشمنوں پر اس دنیا میں جو عذاب آئے گا یہ اس میں بھی حصہ پائیں گے اور آخرت میں ان کے لیے جو عذاب ہے وہ تو ہے ہی۔

اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ (۱۶)

جھوٹی قسموں کی آڑ میں چھپنے کی کوشش

انھوں نے قسموں کو اپنی ڈھال بنا رکھا ہے۔ ان کی جس غلطی پر بھی گرفت کی جائے اس کے بارے میں جھوٹی قسموں سے یہ اطمینان دہانی کی کوشش کرتے ہیں اور اس طرح اپنی دانست میں اپنے کو بچا لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ان قسموں کی آڑ میں انھوں نے اپنے لیے جائے پناہ بنائی ہے تاکہ دین کے مطالبات سے اپنے کو بچائے رکھیں۔ ایمان کا اظہار کر کے اللہ کی راہ میں انھوں نے جو قدم اٹھایا تھا اس کو روک لیا اور اب آگے بڑھنے کے بجائے قسموں کے ذریعہ سے اپنی دینداری کا بھرم قائم رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن یہ اس طرح کب تک اپنا بھرم قائم رکھیں گے۔ بالآخر ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

لفظ 'صدّ' قرآن میں لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوا ہے۔ یہاں یہ لازم معنی میں ہے یعنی اللہ کی راہ میں آگے بڑھنے سے رک گئے۔

لَّن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (۱۷)

یہ ان بیڑیوں کی طرف اشارہ ہے جو ان کے پاؤں میں پڑی ہوئی ہیں اور جو اللہ کی راہ میں ان کو آگے نہیں بڑھنے دے رہی ہیں۔ فرمایا کہ یہ لوگ اپنے اموال و املاک اور بیوی بچوں کی محبت میں گرفتار ہیں جس وجہ سے دین کی راہ میں آگے بڑھنے کا حوصلہ نہیں کر رہے ہیں۔ انھیں معلوم نہیں ہے کہ ان کے مال اور ان کی اولاد خدا کے عذاب سے ان کو ذرا بھی بچانے والے نہیں ہیں۔ 'مِنَ اللّٰهِ' میں مضاف محذوف ہے یعنی مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اسی طرح مال و اولاد کی محبت میں گرفتار رہے تو یہ چیزیں ان کو جہنم میں لے جائیں گی اور پھر یہ اس سے کبھی نہیں چھوٹیں گے۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ ۖ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ

أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ (۱۸)

اگر یہ اسی طرح مال و اولاد کی محبت میں پھنسے ہوئے دین کے تقاضوں سے بھاگتے رہے تو اس دن کو یاد رکھیں جس دن اللہ ان کو اور ان کی اولاد کو اٹھائے گا اور اس دن بھی ان کے پاس اس جھوٹی قسم کے سوا کوئی اور سہارا نہیں ہوگا جس کا سہارا انھوں نے آج لے رکھا ہے۔ اس دن وہ اپنے رب کے سامنے اپنی برأت میں اسی طرح جھوٹی قسمیں کھائیں گے جس طرح تمھارے سامنے کھا رہے ہیں۔ سورۂ انعام کی آیت ۲۳ میں مشرکین کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ جب عذاب دیکھیں گے تو قسم کھا کر اپنی بے گناہی کا اظہار کریں گے کہ 'وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ' (اللہ ہمارے خداوند کی قسم، ہم شریک ٹھہرانے والوں میں نہیں تھے)۔

'وَيَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ' یعنی جھوٹی قسم کھا کر سمجھیں گے کہ اپنی بے گناہی کے ثبوت میں ایک بہت بڑی دلیل انھوں نے پیش کر دی اور گمان کریں گے کہ جس طرح اس دنیا میں انھوں نے جھوٹی قسموں سے بہتوں کو فریب دے رکھا ہے اسی طرح آخرت میں بھی ان کا فریب چل جائے گا لیکن وہاں ان کا یہ فریب کچھ کام نہ دے گا۔ اس دن اللہ مجرمین کی زبانوں پر مہر لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں اور ان کے دوسرے اعضاء و جوارح ان کے جرائم کی خود گواہی دیں گے جس کے بعد کسی کے لیے کسی معذرت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔

'أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ'۔ فرمایا کہ سب کان کھول کر اچھی طرح سن لیں کہ اگر کسی نے غلط فہمی سے ان کو سچا گمان کر رکھا ہے تو وہ اس گمان کو اپنے ذہن سے نکال دے۔ اصل جھوٹے یہی ہیں جنھوں نے یہاں بھی لوگوں کو اپنے جھوٹ سے مغالطہ دے رکھا ہے اور آخرت میں اپنے رب کو بھی دھوکا دینے کی جسارت کریں گے۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَأَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ أُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۱۹)

جو خدا کو بھلا بیٹھتا ہے وہ شیطان کے ہتھے چڑھ جاتا ہے

'اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمْ' کے معنی ہیں 'تسلّط علیہم' شیطان نے ان پر اپنا پورا تسلّط جما لیا ہے۔ شیطان جن پر پورا تسلط جما لیتا ہے ان کو خدا کی یاد سے بالکل غافل کر دیتا ہے اور جو خدا کو بھلا بیٹھتے ہیں وہ شیطان کی پارٹی میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ جہاں تک وسوسہ اندازی کا تعلق ہے شیطان سب پر اپنا یہ ہنر آزماتا ہے لیکن اس کا تسلط انھی پر جمتا ہے جو اس کی وسوسہ اندازیوں کے لیے اپنے دلوں کے دروازے کھول دیتے اور اس کو اپنا ناصح و مرشد سمجھنے لگتے ہیں۔ جو لوگ اس طرح اس کے مرید بن جاتے ہیں ان کے دلوں سے خدا کی یاد بالکل غائب ہو جاتی ہے پھر وہ اپنی عاقبت سے بالکل بے پروا ہو کر اپنی باگ اس کے ہاتھ میں پکڑا دیتے ہیں۔ اس طرح کے لوگ سب شیطان کی پارٹی کے ممبر بن جاتے ہیں اور شیطان ان کا لیڈر بن کر ان کو جدھر چاہتا ہے آوارہ گردی کراتا ہے۔ انسان کی اصل محافظ خدا کی یاد ہے۔

اس سے محروم ہو جانے کے بعد وہ شیطان کے ہتھے چڑھ جاتا ہے اور پھر اس کو اس کے چنگل سے چھوٹنا نصیب نہیں ہوتا۔

شیطان کی پارٹی کے لیے نامرادی مقدر ہے

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ فرمایا کہ اس دنیا میں اگرچہ ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کے قانون کے تحت ایک خاص حد تک مہلتِ عمل ملی ہوئی ہے۔ چنانچہ شیطان کی پارٹی کو بھی مہلت دی جاتی ہے کہ وہ اپنا ہنر آزمالے لیکن ہر شخص اچھی طرح جان لے کہ بالآخر شیطان کی پارٹی ہی نامراد ہونے والی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِی الْاَذَلِّیْنَ (۲۰)

شیطان کی پارٹی کا اصل کام اللہ و رسول کی مخالفت اور ان کے مقابل میں محاذ آرائی ہے۔ فرمایا کہ ان کو جتنی ڈھیل ملتی ہے یہ اللہ اور رسول کے خلاف زور آزمائی کرتے ہیں لیکن بالآخر یہ انہی ذلیل ہونے والوں میں شامل ہوتے ہیں جو ان سے پہلے یہ زور آزمائی کر کے ذلیل ہو چکے ہیں۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (۲۱)

رسولوں کے باب میں سنتِ الٰہی

یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس سنت کا اعلان فرمایا ہے جو ازل سے اس نے لکھ رکھی ہے کہ جو کشمکش اللہ و رسول اور حزب الشیطان کے درمیان برپا ہوگی اس میں غلبہ اللہ اور اس کے رسولوں کو حاصل ہوگا، شیطان کی پارٹی ذلیل و خوار ہوگی۔ اس سنت اللہ کی وضاحت ہم جگہ جگہ کرتے آ رہے ہیں کہ رسول[1] جتنے بھی دنیا میں آئے وہ جس قوم کے اندر آئے اس کے لیے خدا کی عدالت بن کر آئے۔ اس کے بعد اس قوم کا لازماً فیصلہ ہو گیا۔ اگر قوم نے بحیثیت مجموعی رسول کی تکذیب کر دی تو اس کے اندر سے رسول اور اس پر ایمان لانے والے افراد کو الگ کر کے باقی قوم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی عذاب کے ذریعہ سے فنا کر دیا۔ اور اگر ایمان لانے والوں کی تعداد معتد بہ ہوئی تو اتمامِ حجت کے بعد اہلِ ایمان کو حکم دیا گیا کہ وہ جہاد کے لیے تلوار اٹھائیں اور ان اعدائے حق سے مقابلہ کر کے ان کا زور توڑ دیں کہ زمین ان کے فتنہ سے پاک ہو جائے۔ قرآن نے رسولوں کی جو تاریخ پیش کی ہے ان میں سے اکثر کو پہلی صورت پیش آئی یعنی رسول اور اس کے ساتھیوں کی ہجرت کے بعد قوم پر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کن عذاب آگیا۔ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں دوسری صورت پیش آئی کہ ہجرت کے بعد آپ کو جہاد کا حکم ہوا اور آپ کے اعداء نے آپ کے صحابہؓ کی تلوار سے شکست کھائی یہاں تک کہ ان کا بالکل قلع قمع ہو گیا۔

اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ یہ اس دعوے کی دلیل بیان ہوئی ہے کہ کیوں اللہ اور اس کے رسولوں کے لیے غلبہ لازمی ہے۔ فرمایا کہ اللہ کوئی کمزور ہستی نہیں ہے بلکہ وہ قوی و عزیز ہے۔ وہ

---

[1] یہاں نبی اور رسول کے درمیان وہ فرق ملحوظ رہے جو ہم نے اس کتاب میں جگہ جگہ واضح کیا ہے۔

جب اپنے بندوں کے پاس اپنا رسول بھیجتا ہے تو وہ رسول، اللہ کا سفیر ہوتا ہے جو لوگوں کے پاس ان کے حقیقی بادشاہ کے احکام سے آگاہ کرنے کے لیے آتا ہے۔ اگر لوگ اپنے مالکِ حقیقی کے احکام کی بجا آوری کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو وہ زمین میں ان کو اقتدار بخشتا اور ان کو اپنے افضال و عنایات سے نوازتا ہے اور اگر وہ خود اللہ سے مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو وہ باغی قرار پاتے ہیں اور اتمامِ حجت کے بعد اللہ تعالیٰ ان باغیوں کے وجود سے اپنی زمین کو پاک کر دیتا ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۲۲)

منافقین کے سامنے ایک واضح کسوٹی

اب یہ آخر میں ایک نہایت واضح کسوٹی منافقین کے سامنے رکھ دی تاکہ حزب اللہ اور حزب الشیطان کے درمیان کوئی التباس باقی نہ رہے اور وہ جس کا بھی ساتھ دیں علیٰ وجہ البصیرت ساتھ دیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں میں سے وہ ایک ہی کو اختیار کر سکتے ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ بیک وقت وہ دونوں کے ساتھ چل سکیں۔ فرمایا کہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی قوم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان بھی رکھتی ہو اور ان لوگوں سے دوستی بھی گانٹھے رکھے جو اللہ اور رسول سے نبرد آزمائی کر رہے ہیں۔ اگر کوئی جماعت اللہ و رسول کے مخالفین کے ساتھ دوستی بھی رکھتی ہے اور ساتھ ہی ایمان کی بھی مدعی ہے تو وہ اپنے دعوائے ایمان میں جھوٹی ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں میں نسبت ضدین کی ہے اور انسان کے پہلو میں دل ایک ہی ہوتا ہے، دو دل نہیں ہوتے کہ وہ دو متضاد و متحارب چیزوں کی محبت اپنے اندر جمع کر سکے۔

وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ۔ یعنی دوسرے رشتے اور روابط تو درکنار، باپ بیٹے، بھائی اور کنبہ و قبیلے کے روابط جو سب سے زیادہ قریبی ہیں اور جن کے ساتھ انسان کو فطری وابستگی ہوتی ہے، وہ بھی یہ درجہ نہیں رکھتے کہ وہ ایمان کے ساتھ متصادم ہوں تو کوئی مومن ان کو اپنے دل میں جگہ دے۔

اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ۔ یعنی جو لوگ اس کسوٹی پر اپنے کو پرکھنے اور پرکھوانے کے لیے تیار ہوں درحقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت فرمایا ہے اور ان کو اپنی طرف سے ایک خاص فیضانِ روحانی سے نوازا ہے۔ رہے وہ لوگ جو ایمان کے مدعی بھی ہیں اور اللہ و رسول کے دشمنوں سے ساز باز رکھتے ہیں تو یہ لوگ محض زبان کے مسلمان ہیں ان کے دل ایمان سے آشنا نہیں ہوئے۔

'أُيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ' کے الفاظ سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ باپ، بیٹے، بھائی اور کنبہ وقبیلے کے روابط دل کے ریشہ ریشہ میں رچے بسے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کو کاٹ دینا کوئی آسان بازی نہیں ہے لیکن جو لوگ ایمان کی غیرت وحمیت اپنے اندر زندہ رکھتے ہیں جب ان کو اس طرح کی کوئی نازک آزمائش پیش آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے خاص روحانی فیض سے ان کو قوت بہم پہنچاتا ہے اور وہ اس آزمائش سے بھی سُرخرو ہو کر نکلتے ہیں۔ ع

فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

یہ اسی فیضِ روحانی کا کرشمہ تھا کہ ابو عبیدہ بن جراحؓ نے غزوۂ احد میں اپنے باپ عبداللہ الجراح پر تلوار چلائی، سیدنا ابوبکرؓ نے بدر میں اپنے فرزند کو للکارا، مصعب بن عمیرؓ نے احد میں اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کیا، حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا اور علی، حمزہ اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم نے عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو لقمۂ اجل بنایا۔

'وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا': یعنی زندگی میں اللہ نے ان کو رسوخِ ایمان اور فیضانِ روحانی سے نوازا اور ان کو پا برجا رکھا اور مرنے کے بعد ان کو جنت میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

'رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ': یہ سب سے بڑا اعزاز ہے جو ان کو اس دن حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا کہ انھوں نے جس ایمان کا اقرار کیا اس کا پورا حق ادا کر دیا، جس امتحان میں بھی وہ ڈالے گئے اس میں پورے اترے، اس دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جس کردار کا مظاہرہ چاہتا ہے انھوں نے ہر امتحان میں اسی کردار کا مظاہرہ کیا اس وجہ سے ربّ کریم ان کو شاباش دے گا کہ ہم تم سے راضی ہوئے۔ ہم نے جو چاہا وہ تم نے پورا کر دکھایا۔ اب تم ہم سے جو چاہو گے وہ تمھیں ملے گا۔

'وہ اللہ سے راضی ہوئے' کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے رب کے جن وعدوں پر اس دنیا میں جیے اور مرے وہ سارے وعدے ان کی امیدوں اور ان کے گمانوں اور قیاسوں سے کہیں بہتر شکل میں ان کے سامنے آئیں گے اور وہ اس طرح نہال ہو جائیں گے کہ ان کے دل کا ہر ارمان پورا ہو جائے گا۔

'اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ'۔ فرمایا کہ یہ لوگ ہیں جن کو حزب اللہ میں ہونے کا شرف حاصل ہے اور یہی لوگ فلاح پانے والے بنیں گے۔ اوپر حزب الشیطان اور اس کی خصوصیات کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب حزب اللہ کے ذکر پر یہ سورہ تمام ہوئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ ۔ اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔

رحمان آباد
۱۰۔ جنوری ۱۹۷۸ء
۲۹۔ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ